⊙ طارق جاوید
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

اُردو شاعری، موسیقی اور عروض کا باہمی تعلق

Abstract:

In this article attempt has been made to find co-relation between Urdu Poetry, music and 'Arooz'. These three arts each have their own identity, but these three fields are closely linked with each other. Music and poetry are natural arts but Arooz has been invented by human beings. Arooz is the measuring tool for poetry. If the poetry is clawed with music it becomes a song and melody. Prose cannot be put into music. Only that poetry can fit into music that has rhythm, harmony and weight, unmetered poetry cannot fil into music, therefore, a scale must be established to measure the meter. This scale is called Arooz. These three arts despite their separate entities are joint together because of rhythm, temp and harmony. Therefore these three arts are attached together and are inseparable.

Keywords:

Urdu Poetry Urooz Music Art Painting Rhythm Harmony

اردو شاعری، موسیقی اور عروض تینوں الگ الگ فنون ہیں مگر ان تینوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ان تینوں فنون کا چولی دامن کا ساتھ ہے بلکہ یہ تینوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ یہ تینوں فنون ایک طرف اپنی اپنی انفرادی اور جُداگانہ حیثیت رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان کے درمیان مماثلت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

علمِ عروض سے شعر کے موزوں یا نہ موزوں ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ عروض سے شاعری کو پرکھا جاتا ہے۔ عروض ایک ایسا پیمانہ ہے جس سے شعر کے وزن کو تولا جاتا ہے۔ وزن کی یہ اہمیت ہے کہ اس کے بغیر شاعری بن نہیں سکتی۔ آہنگ نہ ہو تو شعر شعر نہیں ہوتا محض نثر ہی ہوتا ہے۔ موسیقی آوازوں کی ایک خاص ترتیب ربط ہم آہنگی اور تکرار ہے جو سامعین کو لطف فراہم کرتی ہے اور وہ ایک خاص حظ محسوس کرتے ہیں۔ آوازوں اور الفاظ کے متناسب نظام کے بغیر نہ شاعری بن سکتی

ہے نہ موسیقی اور عروض ان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ الفاظ کے برمحل استعمال اور آہنگ (وزن) سے شعر بنتا ہے۔ سروں کی تکرار اور کمی بیشی سے مختلف راگ اور راگنیاں بنتی ہیں۔ اس طرح چند حروف فعل کے تصرف سے مختلف الفاظ بنا کر ان کی تکرار سے بحروں کے ارکان قائم کیئے گئے ہیں۔ موسیقی کی بنیادی سات سُر مندرجہ ذیل ہیں:

سا رے گا ما پا دھا نی

کھرج رکھب گندھار مدھم پنچم دھیوت نکھاد

مندرجہ بالا سروں کی آمیزش سے راگ بنتے ہیں۔ اور ایسے ہی 'ف'، 'ع'، 'ل' کی آمیزش اور اُلٹ پھیر سے دس ارکان یعنی مفاعیلن، مستفعلن، فاعلاتن، مفاعلتن، متفاعلن، مفعولات، فعولن، فاعلن، فاع لاتن اور مس تفع لن بنتے ہیں اور ان ارکان کی مدد سے بحریں بنتی ہیں۔

موسیقی محض مہمل آوازوں سے موسیقی نہیں کہلا سکتی۔ موسیقی کو ایسے الفاظ کی ضرورت ہے جو اس کی عمارت کو کھڑا کر سکیں۔ الفاظ تو نثر بھی ہوتے ہیں لیکن موسیقی کو ایسے الفاظ چاہئیں جس کو کلام موزوں کہتے ہیں۔ کلام موزوں شاعری ہے اور کلام کو موزوں ثابت کرنے کی کسوٹی یا پیمانہ عروض ہے عروض ہی کلام موزوں کی سند عطا کرتا ہے۔

طبع موزوں رکھنے والا شخص اگرچہ شاعری کر سکتا ہے۔ مگر عروض اس شاعری کا تجزیہ کرتا ہے کہ آیا موزوں طبیعت رکھنے والے شاعر کا شعر بھی موزوں ہے یا نہیں اور اگر شعر موزوں نہیں ہے تو ایک طرف تو اچھی شاعری نہیں کہلا سکتا اور دوسری طرف اگر اس شاعری کو موسیقی کا جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے تو وہ موسیقی کا لبادہ نہیں اوڑھ سکتی لہٰذا یہاں عروض کا کام شروع ہو جاتا ہے جو شعر کو موزوں بنانے کی سعی کرتا ہے۔ شاعری وہی موسیقی میں ڈھل سکتی ہے جس کو عروض کی سند ملی ہو۔ ایسی شاعری جو وزن سے خارج ہو موسیقی کے معیار پر بھی پورا نہیں اتر سکتی۔ اسی طرح موسیقی بھی محض چیخ و پکار کا نام نہیں۔ موسیقی ہلا گلا شور شرابا نہیں ہوتی۔ موسیقی بہترین شاعری کا انتخاب کر کے اپنے وجود کو امر کرتی ہے شعر اگر باوزن نہ ہوں تو موسیقی نہیں ہو سکتی اور اگر موسیقی میں ردھم، سُر اور لے نہ ہو تو شاعری بھی اپنا تاثر قائم نہیں کر سکتی۔ گائے گئے بہترین نغمے، گیت اور غزلیں بہترین اور اعلیٰ کیوں ہیں؟ اس لئے ہیں کہ ان میں شاعری موسیقی اور عروض کا ایک باہم توازن اور تال میل ہوتا ہے۔ محمد نواب علی خاں کے مطابق

> ”نظم کو موسیقی سے بہت کچھ تعلق ہے اور یہ مشابہت پیدا کرنے والی شے لے ہے۔ کوئی مضمون کیسا ہی پاکیزہ کیوں نہ ہو۔ کیسے ہی عمدہ الفاظ میں کیوں نہ بیاں کیا گیا ہو۔ لیکن عروض کے قواعد کے باہر ہے تو اسے شعر نہیں کہہ سکتے۔ بحر کیا ہے؟ لے کی ایک قسم ہمارے لکھنؤ میں اب بھی ایک قابل اور نازک خیال شاعر اپنے تلامذہ کو عروض کی بحریں طبلے پر یاد کرایا کرتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اس سے بہتر طریقہ غیر ممکن ہے۔ موسیقی بھی نظم کی طرح لے کی محتاج ہے۔“ (۱)

قدیم زمانے میں موسیقی اور شاعری دونوں ایک ہی فن تھے۔ دونوں کو الگ الگ نہیں جانا جاتا تھا۔ جو بھی گایا جاتا تھا اس کو شاعری کہا جاتا تھا۔ اس کی مثال یونانی شاعری ہے جس کو وہ ڈرامہ کہا کرتے تھے۔ یہ تمام ڈرامے جو کہ شاعری کہلاتے تھے دراصل شاعری اور موسیقی دونوں کا باہم امتزاج ہے۔ یونانی دونوں کو ایک ہی خیال کرتے تھے اور پھر

رفتہ رفتہ شاعری اور موسیقی نے اپنی اپنی راہیں جدا کر لیں۔ دونوں نے اپنا علیحدہ وجود اور تشخیص قائم کیا تاہم ان دونوں فنون کے الگ الگ ہونے کے باوجود ان کے سوتے ایک ہی چشمہ سے پھوٹتے ہیں۔

یونانی ادب میں شاعری اور موسیقی کو ایک ہی فن گردانا جاتا تھا اسی طرح قدیم ہندوستان میں بھی شاعری اور موسیقی ساتھ ساتھ چلتے تھے اور شاعری اور موسیقی کی کچھ اصناف ایک ہی طرح سے شمار کی جاتی تھیں اور ان کو ایک ہی وضع سے پہچانا جاتا تھا۔ رشید ملک کے مطابق:

> ''چنانچہ موسیقی کی تاریخ کے ایک عمومی مطالعے سے فن موسیقی میں ایک انتہائی اہم اصول برسرکار نظر آتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ صدیوں سے شاعری کی اوضاع کو موسیقی بلاتکلف اپناتی چلی آ رہی ہے۔ دھرد، پربندھ، دھروپد اور ماضی قریب میں ٹھمری، ہوری، یعنی ہولی، کجری، چیتی، غزل وغیرہ پہلے شاعری کی اوضاع تھیں، یعنی ایسی شاعری جو گائی جاتی تھی۔'' (۲)

> ''راگ درپن میں بیان کردہ موسیقی کی کچھ فارمز مثلاً پد، دھرو، پربندھ، دھرد پد، دھمار، تیوت یا تروٹ، خیال اور ترانہ ہماری کلاسیکی موسیقی کی فارمز ہیں۔ کسی زمانے میں چیتی، کجری ٹھمری، ٹپا، ہوری وغیرہ لوک شاعری کی فارمز تھیں۔ ویسے ہی پد دھرو، پربندھ اور دھروپد مختلف مقامات کی لوک شاعری کی وضعیں تھیں یا ہیں۔'' (۳)

سید عابد علی عابد نے اردو حروف تہجی کی غنائی اہمیت کے بارے میں ایک تفصیلی مضمون لکھا۔ جو رسالہ مخزن میں شائع ہوا اس میں انھوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ موسیقی ترنم نغمہ اور شاعری پر لکھا ہے جس طرح موسیقی کے سات سُروں، یعنی، سا، رے، گا، ما پا، دھا، نی میں کومل تیور ہوتے ہیں۔ انھوں نے اردو کے حروف تہجی میں بھی کومل تیور حروف کی نشاندہی کی ہے اور ان کے صوتی آہنگ اور تاثیر کا ذکر کیا ہے۔ سید عابد علی عابد کے مطابق:

> ''اب حروف علت کو لیجئے، حروف علت یعنی ا، و، ی درحقیقت اردو شاعری میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو سنگیت میں ٹھاٹھ، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پنڈتوں نے لکھا ہے کہ سنگیت کے تین گرام ہیں یعنی کھرج گرام، گندھار گرام اور مدھم گرام، اور ان تمام گراموں میں سات سروں کے سلسلہ وار یا معین چڑھاؤ اتار کی مختلف شکلوں سے تمام راگ پیدا ہوتے ہیں، یعنی سارے گا ما پا دھانی اور سانی دھا پا ما گا رے سا۔ اسی چیز کو آج کل ٹھاٹھ کہتے ہیں۔'' (۴)

موسیقی اور شاعری کا باہم تجزیہ کرتے ہوئے اگر ہم قدیم وجدید شعراء کے کلام پر نظر ڈالیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ ان کی شاعری موسیقی اور ترنم سے بھرپور تھی۔ غالب کی زیادہ تر غزلیں اسی لئے گائی گئی ہیں کہ ان میں روانی موسیقی اور ترنم تھا۔ امیر خسرو، ولی دکنی، میر تقی میر، مومن خاں، داغ دہلوی، حسرت موہانی، فیض احمد فیض، ناصر کاظمی، احمد فراز وغیرہ کے کلام میں روانی سلاست اور موسیقیت تھی اسی لئے ان کے کلام کو موسیقی کے سانچے میں ڈھالا گیا۔

بقول عنائت الٰہی ملک:

> ''ہر شاعر بنیادی طور پر موسیقار ہوتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ وہ موسیقار پہلے ہے اور شاعر بعد

میں شاعر کو موسیقار بنانے کا ذمہ دار اس کا جذبہ آہنگ ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس سے گزر کر احساس ایک وزن کا حامل ہو جاتا ہے۔ یہی جذبہ آہنگ الفاظ کو شعر کا جامعہ پہنانے کے لئے الفاظ کے صوتی وزن کی مناسبت سے ان کی نشست بدل کے ان کو تال اور ہم آہنگی سے آشنا کر کے ایک شعر کا رنگ و روپ دیتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شاعر اس جذبہ آہنگ سے شعوری طور پر واقف ہو لیکن ہر شعر اس جذبہ آہنگ کے طفیل وزن کے پیمانے میں ڈھل ڈھل کر آتا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب نے موزوں طبیعت پائی ہے تو کہنے کا مقصد یہی ہوتا ہے وہ شعوری طور پر ان الفاظ کے صوتی اثرات ان کے وزن اور زیر و بم سے آگاہ ہے۔" (۵)

عروض میں دس بنیادی ارکان کے الٹ پھیر سے بحریں بنتی ہیں، موسیقی کے سات سروں کے تال میل اور کمی بیشی سے راگ راگنیاں بنتے ہیں۔ یعنی عروض کی زبان کے حروف تہجی دس اور موسیقی کی زبان کے حروف تہجی سات ہیں۔ اور شاعری جن حروف تہجی سے بنتی ہے وہ سینتیس ہیں ان تینوں فنون کے حروف تہجی کے نمبر اگر چہ کم زیادہ ہیں لیکن ان تینوں میں گہری مماثلت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ حروف میں ا، و، ی حروف علت ہیں جو ٹھاٹھ سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اور ردیف میں موسیقیت پیدا کرتے ہیں۔ یہ تینوں حروف موسیقی کے سات سُروں اور ماتروں جیسا وزن پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ عروض میں مہمل حروف ف، ع، ل سے مشابہ ہیں۔

توازن ایک فطرتی اور قدرتی امر ہے پوری کائنات ایک توازن اور لے سے چل رہی ہے جیسے انسانی دل کی دھڑکن نظام شمسی وغیرہ یہ سب فطرت اور قدرت کے کرشمے ہیں۔ لے، سُر، تال ردھم اور وزن کے سبب یہ دنیا قائم ہے۔ اگر اس میں سے توازن نکال دیا جائے تو کائنات تباہ و برباد ہو جائے گی۔ سورج چاند ستارے، دن رات گرمی سردی دھوپ چھاؤں، بارش، بہار خزاں، وغیرہ وغیرہ، سب ایک لے اور توازن کے تابع ہیں انسان کے اندر قدرتی طور پر لے، تال اور توازن ہے انسان کا بولنا اور سُننا ایک ردھم اور توازن کے تابع ہے۔ ایک انسان کا پیدل چلنا ایک ردھم اور توازن ہے دونوں پاؤں قدرتی طور پر ایک مناسب وقفے سے اٹھتے ہیں دونوں کے درمیان ایک جیسا فاصلہ ہوتا ہے اگر وقت اور فاصلے میں فرق آ جائے تو انسان گر جاتا ہے۔ محمد ہادی حسین کے خیال کے مطابق

"صوتی خوش گواری کی بہترین صورت گانا ہے۔ لحن انسانی میں یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ جن آوازوں کو ادا کرے ان میں سُر تال کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے، جس کا سبب ارتعاشوں کا ایک عددی تناسب ہوتا ہے جو کانوں کو اچھا لگتا ہے۔" (۶)

"انیسویں صدی کے نقادوں کے نزدیک غنائی شاعری شاعری کی بلند ترین صنف تھی۔ شاعری میں جب وصف اور اعلیٰ معیار کی بات کی جاتی ہے تو دیکھا جاتا ہے کہ آیا اس میں روانی، موسیقیت اور نغمگی ہے یہ یا نہیں اگر شاعری ان صفات سے خالی ہو تو اس کو اعلیٰ شاعری نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس کو شاعری ہی سے خارج سمجھنا چاہیے" (۷)

اس ضمن میں ڈاکٹر سنبل نگار کا نظریہ ہے:

''شعر کو دلکش اور پرتاثیر بنانے کے لئے شاعر بہت سی تدبیریں کرتا ہے ان میں پہلی تو یہ ہے کہ لفظ ایسے ہوں اور ان کی ترتیب ایسی ہو کہ ان میں نغمگی پیدا ہو جس شعر میں یا جس نظم میں غنائیت و ترنم نہ ہو اسے شاعری کے دائرے سے خارج کر دینا چاہیے۔''(۸)

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ شاعری اور موسیقی دونوں احساسات اور جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ شاعر اور موسیقار دونوں ایک جیسی مشقت سے گزرتے ہیں دونوں کو اپنے فن کی تخلیق کے لئے انتہائی مستعدی اور ہنرمندی دکھانی پڑتی ہے دونوں پر ایک ہی طرح کی واردات گزرتی ہے دونوں بہترین سے بہترین کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دونوں پر وجدانی اور جنونی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ پھر کہیں جا کر کوئی فن پارہ وجود میں آتا ہے۔

شاعری کے بغیر موسیقی کی کوئی حقیقت نہیں شاعری اور موسیقی کی ہم آہنگی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دونوں کے مزاج ایک جیسے ہیں ان کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر شاعری حزنیہ اور المیہ ہے تو موسیقار اسی نسبت سے المیہ سُر لگا کر موسیقی ترتیب دے گا اور اگر شاعری طربیہ اور نشاطیہ ہے تو موسیقار ویسی ہی سُریں لگائے گا جو خوشی اور مسرت کا تاثر دے سکیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ شاعری غمگین دُکھ اور درد پر مبنی ہے تو موسیقی تیز اور طربیہ ہو۔ شادی بیاہ کے موقع پر گائے گئے گیت اور کسی مرنے والے اور بچھڑنے والے کی یاد میں گائے گئے گیت اس کی واضح مثالیں ہیں۔

اچھی شاعری انسان کو دم بخود کر دیتی ہے اسی طرح اچھی موسیقی بھی انسان پر جادو کر دیتی ہے انسان پر اس کا اثر بے بیان ہے اس طرح ایک شعر ایک طوفان برپا کر سکتا ہے اور ایک سُر یلا نغمہ جنون پیدا کر سکتا ہے۔ دونوں کا اثر بے بیان ہے اور تیسرا یعنی عروض ان دونوں کی خوبصورتی اور حسن کا ضامن ہے۔ ان دونوں علوم کو جو الگ الگ ہو کر بھی اکٹھے ہیں عروض کی ضرورت ہے۔ اور عروض بذاتِ خود کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا عمل شاعری پر ہوتا ہے۔ شاعری نہ ہو تو عروض کی ضرورت نہیں۔ عروض کی مثال اس سہاگے کی ہے جو سونے پر لگتا ہے تو سونا اور زیادہ نکھرتا ہے اگر سونا ہی نہ ہو تو سہاگے کی ضرورت کیا ہے اور اگر سونا پڑا پڑا میلہ کچیلا ہو جائے تو اس کو کس سے نکھاریں گے لہٰذا عروض کی اہمیت اپنی جگہ بہت ہی اہم ہے یہ تینوں فنون ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور معاون بھی ہیں، الگ الگ بھی ہیں اور ہم آہنگ بھی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نواب علی خاں محمد، معارف النغمات، (لاہور: ادارہ فروغ فن موسیقی، ۲۰۱۴ء)، حصہ اول، ص ۵۴۱۔۵۴۲
۲۔ رشید ملک، راگ درپن کا تنقیدی جائزہ، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۹۲
۳۔ ایضاً، ص ۴۶۲
۴۔ عابد علی عابد، اسلوب، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۱۲
۵۔ عنایت الٰہی، برصغیر کی موسیقی، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۵
۶، ۷۔ ہادی حسین، شاعری اور تخیّل، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۶۔۱۷
۸۔ سنبل نگار، اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، (لاہور: زبیر بکس، ۲۰۱۴ء)، ص ۲۸۳